© rasailojaraid.com

جرحِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے۔

(ذ) بخاری

حدیث حوأب کا مصداق کون؟

تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، ادب، فلسفہ اور تصوف کے عظیم الشان اسلامی سرمائے کو، زرِ کم عیار میں بدلنے کے لئے اس میں (مولانا امین احسن اصلاحی مرحوم و مغفور کے الفاظ میں) جتنے بھی فتنے چور دروازے سے داخل کیے گئے، وہ سب رافضیوں اور سبائیوں کی دسیسہ کاریوں کے سبب سے تھے اور ان کا مقصد ہر ایک چشمۂ صافی کو جوہڑ بنانا تھا۔ شرار بولہبی کی اس ستیزہ کاری سے چراغ مصطفوی کو شاید کبھی بھی فراغ ممکن نہ ہو۔ لیکن دین و دانش، علم و فہم اور تحقیق و تفکر کے مقابل، تلبیس و تدلیس اور تحریف و تخریب کی صناعی ہمیشہ جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہی ثابت ہوئی ہے۔

تلبیس و تدلیس اور تحریف و تخریب کی بات آہی گئی ہے تو کیوں نہ اسے ایک دو مثالوں سے واضح بھی کر دیں۔ علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی معرکہ آرا کتاب "سیرت عائشہ" (رضی اللہ عنہا) میں لکھتے ہیں ...... "امام حسنؓ نے ۴۹ھ میں امیر معاویہؓ کے زمانہ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ مدفون ہیں۔ ایک گوشہ میں ایک قبر کی جگہ اور باقی تھی۔ امام حسنؓ نے بھائی سے وصیت کی تھی کہ میری لاش اسی خالی جگہ میں دفن کی جائے اور اگر اس میں (کوئی) مزاحم ہو تو جنگ و جدال کی ضرورت نہیں۔ امام حسینؓ نے جب وصیت کی تعمیل کرنی چاہی تو مروان بن حکم نے مخالفت کی، کہ جب یہاں عثمانؓ کو باغیوں نے دفن نہ ہونے دیا تو کسی اور کو بھی اجازت نہیں ہوسکتی۔ ادھر امام حسینؓ کے ساتھ بنوہاشم اور ادھر مروان کی معیت میں بنوامیہ ہتھیاروں سے آراستہ ہو کر باہر نکلے۔ قریب تھا کہ ایک خونریز جنگ شروع ہو کہ حضرت ابوہریرہؓ نے آکر بیچ بچاؤ کیا۔ مروان سے کہا کہ نواسہ اگر اپنے نانا کے پہلو میں دفن ہوتا ہے تو تم کو اس میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ امام حسینؓ کی خدمت میں عرض کی کہ امام مرحوم کی یہ بھی تو وصیت تھی کہ اگر مزاحمت ہو تو جنگ و جدال سے پرہیز کیا جائے۔ الغرض جنازہ جنت البقیع میں لایا گیا اور یہیں حضرت فاطمہ زہراؓ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ (ص ۱۵۰-۱۵۱)

اسی کتاب میں آگے چل کر سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت عائشہ (سلام اللہ و رضوانہ علیہا) کی وفات کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں ...... "مرض الموت میں وصیت کی کہ اس حجرہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مجھے دفن نہ کیجئو۔ میں نے ایک جرم کیا ہے۔ مجھے دیگر ازواج مطہرات کے ساتھ جنت البقیع

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں دفن کرنا اور رات ہی کو دفن کر دی جاؤں۔ صبح کا انتظار نہ کیا جائے۔ کسی نے عرض کی کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ وغیرہ کے ساتھ دفن ہوتیں تو بہتر تھا۔ فرمایا اگر ایسا ہو تو پچھلا عمل جاتا رہے اور نیا شروع کروں۔ ۵۸ھ تھا اور رمضان کی سترہ (۱۷) تاریخ مطابق ۱۳ جون ۶۷۸ء تھی، کہ نماز وتر کے بعد شب کے وقت وفات پائی۔ ماتم کا شور سن کر انصار اپنے گھروں سے نکل آئے۔ جنازہ میں اتنا ہجوم تھا کہ لوگوں کا بیان ہے کہ رات کے وقت اتنا مجمع کبھی نہیں دیکھا گیا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ عورتوں کا اژدہام دیکھ کر روز عید کا دھوکا ہوتا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ نوحہ اور ماتم سن کر بولیں، عائشہ کے لیے جنت واجب ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پیاری بیوی تھیں۔ یہ حاکم کی روایت ہے"...... "مسروق تابعی بیان کرتے ہیں کہ اگر ایک بات کا مجھ کو خیال نہ ہوتا تو ام المومنین کے لیے میں ماتم کا حلقہ قائم کرتا"۔ (ص ۱۵۴-۱۵۵)

سیدنا حضرت حسنؓ اور سیدہ حضرت عائشہؓ کی وفات کا حال آپ نے سید صاحب کی زبانی پڑھ لیا۔ اب ایک حدیث نبوی بھی پڑھ لیجئے...... "ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے ساتھ، حجرہ مبارکہ میں، دفن ہونے کی اجازت مانگی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا.....

وانی لی بذالک؟ من موضع ما فیہ الاّ موضع قبری و قبر ابی بکر و عمر و عیسیٰ بن مریم

(ترجمہ)" بھلا میرے پاس کسی کو اس جگہ دفن ہونے کی اجازت دینے کی گنجائش کہاں ہو سکتی ہے، کہ جہاں صرف میرے مزار، اور ابوبکر و عمر اور عیسیٰ بن مریم کی قبروں کے لئے جگہ مخصوص ہو چکی ہے"۔ (کنز العمال ج ۷، ص ۲۲۸)

اب فرمائیے کہ سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کا حجرۂ عائشہ رضی اللہ عنہا میں تدفین کی وصیت کرنا، سیدنا مروانؓ (گورنر مدینہ) کا مزاحم ہونا، بنی ہاشم اور بنی امیہ کے مسلح تصادم کے خطرہ کا پیدا ہوجانا، حضرت ابو ہریرہؓ کا حضرت مروانؓ کو فہمائش کرنا اور بالآخر حضرت حسنؓ کا بے بسی کے عالم میں جنت البقیع میں دفن کیا جانا..... ایک افسانہ ہے کہ نہیں، جو بجا طور پر تلبیس و تدلیس اور تحریف و تخریب کا شاہکار ہے۔

سید صاحب کے بقول حضرت عائشہؓ نے فرمایا..... "میں نے ایک جرم کیا ہے۔ مجھے حجرۂ مبارکہ میں دفن نہ کرنا"۔ آپ ہی کہیے کہ حدیث کا اعتبار کیا جائے یا سید صاحب کے راوی کا؟ غور سے دیکھیے۔ یہ روای پہلے تو ام المومنین پر نہایت دیدہ دلیری سے ناکردہ جرم کی تہمت لگاتا اور بہتان باندھتا ہے اور پھر بہت سوگوار فضا پیدا کر کے، ان کی وفات پر "نوحہ" اور "ماتم" کا عمل بھی ثابت کرتا ہے۔ پھر اسی عمل سے ایک تابعی بزرگ کو متہم کرتا ہے۔

جی فرمائیے! کچھ آیا خیال شریف میں؟ ماتم تو ہمیں کرنا چاہیے، لیکن کس کا؟ اب اور سنیے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ (جانشین مفتی اعظم پاکستان، مہتمم دارالعلوم کراچی) اپنی کتاب "عورت کی سربراہی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شرعی حیثیت" (مطبوعہ ۱۹۹۴ء) میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں لکھتے ہیں ..... "شروع میں آپ کی خواہش تھی کہ آپ کو خود اپنے گھر میں، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن کیا جائے لیکن بعد میں فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایک بدعت کا ارتکاب کیا ہے۔ اب مجھے دوسری ازواج مطہرات کے ساتھ دفن کرنا"..... "اس ندامت کی بناء پر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تدفین کو بھی پسند نہیں فرمایا" (ص ۶۳، ۶۴)۔ سوال یہ ہے کہ وہ "جرم" اور وہ "بدعت" ہے کیا؟ وہ ہے جنگ جمل میں شرکت اور قصاص عثمان کا مطالبہ! یقیناً قاتلین عثمان، ان کے اعوان و انصار، اور ان کی روحانی و معنوی اولاد یہ جرم کبھی معاف نہ کرے گی۔ لیکن علماء اور فضلاء کو کیا ہو گیا ہے؟

ع..... کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا!

اس "جرم" کی سنگینی میں اضافہ کرنے اور اس میں واقعیت کا رنگ بھرنے کے لیئے ایک قصہ یہ گھڑا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا تھا "تم میں سے ایک کی کیا حالت ہو گی جب کہ اس پر حوأب کے کتے بھونکیں گے" چنانچہ قصاص عثمان کے مطالبے کے لئے جب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے بصرہ روانہ ہوئیں تو راستے میں حوأب کے مقام پر کتے بھونکے۔ ام المومنین کو حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم یاد تھی، اس لئے رونے لگیں اور عمر بھر اس عمل پر نادم رہیں۔ یہی قصہ مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب نے اپنی کتاب میں دہرادیا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

محترم پروفیسر قاضی محمد طاہر علی الہاشمی نے اسی حوأب کے قصے کی حقیقت واضح کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی ہے۔ ان کی جرح شاندار، ان کے دلائل زوردار، ان کی محنت قابل دید اور ان کا اسلوب قابل داد ہے۔ صاف سادہ، رواں دواں، شستہ و رُفتہ اور شائستہ و پختہ زبان و بیان..... جس میں کوئی لیچ پیچ، کوئی الجھاؤ نہیں۔ حدیث اور تاریخ کی کتابوں میں سبائیوں اور رافضیوں کی دسیسہ کاریوں کا جو منظر، ہاشمی صاحب دکھاتے ہیں وہ بہت ہوشربا اور بہت پریشان کن ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر اضطراب انگیز اور قابل افسوس وہ بے خبری اور بے توجہی ہے جو علماء، فقہا، محدثین، مؤرخین اور متکلمین کہلانے والے متاخرین اور معاصرین کو لاحق ہے۔ ہاشمی صاحب نے سیدنا عمرو بن العاص، سیدنا خالد بن ولید اور سیدنا مروان بن الحکم رضوان اللہ علیہم اجمعین کی شان میں بعض اکابر علماء اور چند اجل فضلا کی ایسی ایسی گستاخیوں کی نشان دہی کی ہے جن کا ارتکاب یقیناً شرمناک اور جن کا انجام لازماً ہولناک ہے۔

ہاشمی صاحب خوش قسمت ہیں کہ اللہ پاک ان سے دین کی یہ عظیم الشان اور جلیل القدر خدمت لے رہے ہیں۔ یہ کتاب ضرور پڑھی جانی چاہیے۔ بلکہ ہاشمی صاحب کی تو سب کتابیں پڑھی جانی چاہئیں۔ کاش اہل سنت و الجماعت کہلانے والے حاملان دین متین اور حامیان شرع مبین اس طرف متوجہ ہوں۔ کاش "حجتہ الاسلام" کے سب ماننے والے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ کو چنگیز اور ہلاکو جیسی ملوکیت کہنے سے توبہ کرلیں۔ کاش "شیخ الکل فی الکل" کے سب ماننے والے ان کے اس فتوے کے خفی جلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اثرات سے پناہ مانگیں کہ "ایک ہی عبارت میں معاویہ اور حضرت علی کا نام آئے تو معاویہ کے نام کے ساتھ حضرت نہ لکھا جائے" ۔ کاش "اعلیٰ حضرت" کے ماننے والے انہی کے فرمان و فتویٰ پر، حضرت معاویہ کو خلیفۂ راشد مان لیں ۔ کاش ایسا ہو جائے ۔ ورنہ حوأب کے کتے بھونکتے رہیں گے ۔ ایک حوأب کیا، عجم کے سب کتے بھونکتے رہیں گے۔

کتاب "حدیث حوأب کا مصداق کون ؟" ..... پچاس (۵۰) روپے میں، قاضی چن پیرا الہاشمی اکیڈمی مرکزی جامع مسجد سیدنا معاویہ چوک، حویلیاں (ہزارہ) سے اور بخاری اکیڈمی، دار بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان سے حاصل کی جاسکتی ہے۔

استفسارات در اسرار حبیب

اس کتاب کے مصنف جناب میاں فضل احمد حبیبی مجددی راہ سلوک کے مسافر ہیں۔ اصطلاح تصوف میں "سلوک" سے مراد اللہ تعالیٰ کا تقرب چاہنا اور حق کی تلاش کرنا ہے۔ متلاشی، مسافر اور راہی اگر فائز المرام ہو تو "سالک" بن جاتا ہے اور اگر بے نیل مرام ہو تو "سالک" نہیں بنتا، باقی بہت کچھ بن جاتا ہے۔ اسے سالک سے وہی نسبت ہوتی ہے جو نیم حکیم کو حکیم سے، کٹھ ملا کو عالم دین سے، اور مسِ خام کو کندن سے ہوتی ہے۔ یعنی......وہ کردار، یہ گفتار، وہ ثابت، یہ سیارہ!

مصنف کتاب لکھتے ہیں کہ .... "اس کتاب کے مطالعہ کے دوران، آپ کو قرآن کریم کی تفسیر کا گمان ہوگا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اس لئے کہ مفسرین حضرات نے تفاسیر اس ارادہ و نیت سے لکھیں کہ لوگ ان سے فائدہ حاصل کریں۔ لیکن راقم کا معاملہ برعکس ہے۔ اس لئے کہ یہ تو خود حقیقت کی تلاش میں تفاسیر اور دیگر کتب کی ورق گردانی میں مصروف ہے۔ مطلوبہ حقیقت کی تلاش میں کائنات کی ہر جہت میں سفر کرنا محال ہے اور اس امرِ محال کا آسان حل یہ پایا کہ حقیقت کو قرآن کے بطن میں تلاش کیا جائے"۔

"کائنات" سے اور اس کی ہر ہر "جہت" سے مصنف کی کیا مراد ہے؟ اس طرح قرآن کے بطن سے ان کی کیا مراد ہے؟ یہ راز ساری کتاب کو پڑھ کر بھی نہیں کھلتا........

اس کے کھلنے کا ڈھب نہیں کھلتا
کچھ تو کھلتا ہے، سب نہیں کھلتا

کیا ہم اس کتاب کو مصنف کے "خود نوشت تفسیری ملفوظات" سمجھ سکتے ہیں؟ جب کہ مصنف کا کہنا ہے کہ "تفاسیر کے مطالعے کے دوران راقم نے جن الجھنوں کو پایا، ان کے سلجھانے کے لئے علماء ربانی، صوفیاء عظام اور اہل تحقیق دوستوں کی خدمت میں استفسار کو کتابی صورت میں پیش کیا جارہا ہے" .... عملاً ایسا بھی نہیں ہے۔ مصنف نے اپنے مفروضات، قیاسات، احتمالات، اور اعتراضات بھی بیان کئے ہیں اور ان کے "آسان حل" بھی بتلائے ہیں۔ جنہیں وہ "انعامات الٰہیہ" کا نام دیتے ہیں۔ جیسا کہ ہم نے آغاز میں کہا کہ مصنف راہ سلوک کے مسافر ہیں اور اس راہ میں ایک مقام "حیرت" کا بھی آتا ہے۔ مصنف شاید اسی

© rasailojaraid.com